اسلامی شریعت

شیخ ابراہیم القطان

اسلام دین فطرت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایسے امور بجا لانے کا حکم نہیں دیتا جو مشکل اور غیر ممکن ہوں - اسی طرح وہ لوگوں کو ایسے عقائد مان لینے کا بھی پابند نہیں کرتا جو ان کی بھلائی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوں - اسلام کا اولین مقصد انسانیت کو ایسے اوہام اور خیالات سے نجات دلانا تھا جو عبادت گاہوں کے نگرانوں اور مذہبی رہنماؤں نے عوام میں پھیلا رکھے تھے - یہ لوگ سمجھتے تھے کہ بندے اور مالک کے درمیان کوئی تعلق ان کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں - اسلام چاہتا تھا کہ لوگوں کے قلب و ذہن کو صدیوں کے موروثی اثرات ' اندھی تقلید ' تعصب اور جمود کی آلائشوں سے پاک کر دے -

جب اسلام آیا تو اس وقت لوگ دینی نقطہ نظر سے توہمات کے گڑھوں اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے - وہ گزرے ہوئے زمانوں کے سنے سنائے قصوں ' عقل سے دور وسوسوں ' بت پرستوں کے پھیلائے ہوئے بے بنیاد عقیدوں اور دور جاہلیت کی مروجہ رسموں اور عادات و اطوار کو بڑا مقدس سمجھتے تھے چنانچہ ان دنوں غور و فکر سے کام لینے والے لوگ حیرت میں پڑے ہوئے تھے اور انھیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کس طریقے پر چلنا چاہئے -

کرہ ارضی' ہر جگہ اور ہر مقام پر وحشیانہ لڑائی جھگڑے اور لا قانونیت پھیل جانے کے باعث دوزخ کا نمونہ بنا ہوا تھا - لوگ وسائل خیر سے زیادہ وسائل شر پر بھروسہ کرتے تھے - معاشرے کے جن سربرآوردہ لوگوں پر سب سے اعتماد کیا جاتا تھا

☆ کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکام، فقہی احکام کہلاتے ہیں ☆

اور جن کی پیروی کی جاتی تھی ' وہی جنگ کی آگ بھڑکانے میں سب سے آگے رہتے تھے - ان کے دل و دماغ پر صرف ایک ہی خواہش کا غلبہ رہتا تھا کہ جس طرح ممکن ہو دوسری قوموں اور ان کے وسائل کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا جائے - نہ صرف ان کے شہروں اور صاحب حیثیت مال دار لوگوں کو لوٹا جائے بلکہ غریب کاشتکاروں اور ایسے بھکاریوں کو بھی نچوڑ لیا جائے جن کے پاس مانگے تانگے کی کچھ رقم موجود ہو -

اگر بعض عبادت گاہوں میں چمکنے والی حکمت و دانش کی ہلکی سی کرن ' اور اس تمام شور و شغب کی آندھیوں سے محفوظ چند فلسفیانہ اصول ' جو ترقی کے پیامبر بعض اہل جرات و ہمت افراد کی وساطت سے ایک روح سے دوسری روح تک منتقل ہوتے رہتے تھے ' موجود نہ ہوتے تو بربریت ' بہیمیت کے ان سرپرستوں کی سرکردگی میں اپنے پنجے مضبوطی سے ہر جگہ گاڑ لیتی اور دنیا ہر قسم کی اخلاقی اقدار سے عاری محض وحشت کی آماجگاہ بن کر رہ جاتی -

ایسے اندوہناک اور مایوس کن حالات نیز شدید قسم کی ظلمت و تاریکی سے بھر پور فضا میں ہدایت الٰہی کا ظہور ہوا اور اس کے نور سے کائنات کا چپہ چپہ روشن ہو گیا - یعنی اسلام آیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ ایمان افروز اور سرور آمیز پیغام عالم انسانیت تک پہنچایا :

یاایھاالناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورامبینا فاماالذین آمنوابااللہ واعتصموابہ فسید خلھم فی رحمہ منہ وفضل ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما (۴:۱۷۴ - ۱۷۵)

(اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس دلیل واضح تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے نازل کیا تمہاری طرف نور ظاہر (قرآن) لیکن جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور مضبوط پکڑا اس کو وہ انہیں داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور دکھائے گا انھیں اپنی طرف راہ سیدھی -)

اسلام کی آمد سے پہلے لوگ مذہبی تصورات کی نسبت سخت ذہنی انتشار میں مبتلا تھے اور یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ دین کا حقیقی مفہوم کیا ہے ' کیونکہ جو لوگ دین کی

حفاظت کے ذمہ دار اور اس کے داعی سمجھے جاتے تھے ان کے قول اور فعل سے دین کی جو صورت سامنے آتی تھی وہ ظلم ' توہین اور لوٹ مار کے سوا کچھ نہ تھی - چنانچہ اسلام آیا تو اس نے لوگوں کو بتایا کہ دین روح کی غذا ' دلی احساسات کی پکار ' زندگی کے زخموں کا مرہم ' راحت و طمانیت کی بادِ نسیم اور حق کی خوشبو کا عطر دان ہے - اپنے اصول اور عقائد کے لحاظ سے اسلام ہی وہ واحد نظام حیات (دین) ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور پیغمبروں کے ذریعے بندوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھیجا' تاکہ انہیں ظلم و زیادتی اور اس انتشار و افتراق سے نجات ملے جس میں وہ پڑے ہوئے تھے -

وماکان الناس الا امه واحدة فاختلفوا

اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی امت تھے پھر وہ مختلف ہو گئے (۱۰ - ۲۰))

لوگ ایک طویل عرصے تک فرقوں اور گروہوں کی صورت میں بٹے رہے اور اصول و نظریات کے لحاظ سے بھی کوئی ترقی نہ کر سکے - بلکہ فکری پسماندگی کی دلدل میں پھنسے پڑے رہے - ان حالات میں عقل انسانی بھی نجات کی کوئی راہ انہیں نہ دکھا سکی - وہ گزشتہ دور کے سلا" بعد نسل روایت ہونے والے ابتدائی افکار و خیالات ہی کے گرد گھومتی رہی - اس گروہ بندی اور باہمی مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت کا انتشار و افتراق مزید بڑھ گیا - اس کے علاوہ مختلف مذاہب نے بھی بہت سے اسباب و وجوہ کی بناء پر اس افسوسناک صورت حال کو انتہائی حد تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا - تفرقہ اور اختلاف کی یہ حالت ایک طویل عرصے تک اسی طرح رہی ' یہاں تک کہ قوموں کے درمیان آمدورفت اور میل ملاقات کے آسان ذرائع پیدا ہو گئے اور ان کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعارف اور قریبی تعلقات کا قائم رکھنا ممکن ہوگیا - اس کے علاوہ زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے بھی یہ امر لازم ہوا کہ قومیں اپنے ہاں پیدا ہونے والی اشیاء کا دوسری قوموں کی اشیاء سے تبادلہ کریں اور اس طرح تجارت کے ذریعے اپنی پیداوار اور منافع ایک دوسرے تک پہنچائیں - انسانیت کی تاریخ میں یہ ایک نیا دور تھا جس کے تقاضے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے پر

مجبور کر رہے تھے ۔ اس سے بشریت کے سب سے بڑے عہد کے ظہور ہونے کی راہ ہموار ہوئی یعنی ایسا عہد جو لوگوں کے درمیان الفت و محبت کے احساسات پیدا کر کے انھیں ایک پلیٹ فارم پر ایک وحدت کی صورت میں جمع کر دے ۔

دنیا میں یہ شعور اس لیے پیدا ہوا کہ اسے اس کی ضرورت تھی لیکن ابتدا میں یہ محض ایک خیال تھا جو بعض لوگوں کے ذہن میں آیا پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا ' یہاں تک کہ خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مبارک دور آگیا ۔

حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ یہ خیالی شعور حقیقت واقعہ کی شکل اختیار کرلے ۔ چنانچہ اسلام کی صورت میں الٰہی قانون کا نفاذ ہوا ' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ' تاکہ وہ لوگوں کو کفر و شرک اور لا قانونیت کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں ۔ اس طرح عالم بشریت کے آخری دور کا آغاز ہوا جس کا کبھی کسی نے خواب میں بھی تصور نہ کیا تھا ' اور پھر دین کی جانب سے جس کے ظہور پذیر ہونے کا خیال بھی دل میں نہ آسکتا تھا ۔

آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مختلف مذاہب کی متضاد تعلیمات کے باعث قوموں کے درمیان کبھی ختم نہ ہونے والی ہولناک قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری تھا ' کیونکہ ہر شخص یہی دعوی کرتا تھا کہ اس کا دین صحیح ہے اور باقی تمام مذاہب باطل ہیں اس صورت حال نے ایسی مایوس کن شکل اختیار کر لی کہ بعض فلسفیانہ ذہن رکھنے والے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انسانیت کی عالمی وحدت کا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب دنیا کو مذہب کے وجود سے پاک کر دیا جائے ۔

اب دیکھیے کہ اسلام نے اس پیچیدگی کو عقل کی روشنی اور حالات کے تقاضوں کے مطابق کس طرح حل کیا ۔ اس نے اس مشکل کو انسانی ذہن کے سامنے اس طرح پیش کیا اور اس طرح اس کی ترتیب کی کہ اسلام کی مخالفت کرنے والے ' اسے قبول کرنے والے اور اس کی حمایت کرنے والے کے لیے اس کے سوا چارہ نہ

رہا کہ وہ اس کی طرف دعوت دینے والے کے دلائل کو سنے اور ان پر اچھی طرح غور و فکر کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا یہ معجزہ کھل کر اس امر کا اعلان کر رہا ہے کہ آسمانی مذاہب کا آخری دین ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ دین اپنے اعتقادی اصولوں کے لحاظ سے کوئی نیا دین نہیں، بلکہ یہ وہی پہلا دین ہے جس کی وحی اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نازل کی، پھر آپ کے بعد اس کی وحی تمام انبیاء کی طرف آتی رہی۔ اب اگر لوگ یہ دیکھ رہے ہیں کہ اپنے اس بنیادی اصول کے لحاظ سے بھی تمام مذاہب ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مذاہب کے رہنماؤں نے اپنے اپنے دین میں تحریف کر لی، اور آپس کے بغض اور عناد کے باعث ان میں ایسی چیزیں شامل کر لیں جو درحقیقت ان میں موجود نہ تھیں۔ اس طرح انھوں نے خود بدلنے کے بجائے دین کو اپنے اوہام اور خواہشات کے مطابق بدل ڈالا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخری زمانے میں اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا دین اس خالص شکل میں دے کر بھیجا کہ اس میں سے وہ چیزیں نکال دی گئی تھیں جو لوگوں نے اپنی طرف سے شامل کر لی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ پوری انسانیت ایک جامع اصول کو تسلیم کر لے تاکہ وہ وحدت کے فوائد سے مستفید ہو اور کمال کی وہ سطح حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العزت کے درج ذیل ارشاد پاک کا یہی مطلب ہے:

شرع لکم من الدین ماوصی به نوحاوالذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقو افیه کبر علی المشرکین ماتد عو هم الیه الله یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب وما تفر قوا الا من بعد ما جاء هم العلم بغیا بینهم ولولا کلمت سبقت من ربک الی اجل مسمی لقضی بینهم وان الذین اورثوا الکتب من بعد هم لفی شک منه

مریب فلذلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواء ھم وقل آمنت بما انزل اللہ من کتب وامرت لاعدل بینکم اللہ ربنا وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لاحجتہ بیننا و بینکم اللہ یجمع بیننا والیہ المصیر (۴۲:۱۳)

مقرر کیااس نے تمھارے لیے دین (کاوہی راستہ) جس کا حکم دیا اس نے نوح کو اور جو وحی کیا ہم نے آپ کی طرف اور جس کا حکم دیا ہم نے ابراہیم اور موسی اور عیسی کو کہ قائم رکھو اس دین کو اور اختلاف نہ کرو اس میں - گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ (بات) جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں - اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہے - اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع ہوتا ہے اور نہیں اختلاف ڈالا انھوں نے مگر بعد اس کے کہ آچکا ان کے پاس علم (محض) سرکشی سے آپس میں اور اگر نہ ہو چکا ہوتا حکم پہلے سے آپ کے رب کی طرف سے ایک وقت مقرر تک تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور واقعی جو لوگ وارث کر دیے گئے اس کتاب کے ان کے بعد وہ حیرت انگیز شک میں ہیں اس کی نسبت تو آپ اسی دین کی طرف بلائیے اور قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا تھا اور نہ چلیے ان کی خواہشوں پر اور کہہ دیجئے کہ میں تو یقین لایا اس پر جو نازل کی اللہ نے کتاب اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں انصاف کروں تمھارے درمیان - اللہ ہی پروردگار ہے ہمارا بھی اور تمھارا بھی - ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال - کوئی جھگڑا نہیں ہمارے اور تمھارے درمیان - اللہ جمع کر دے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے -)

اسی طرح درج ذیل ارشاد پاک:

ان الدین عنداللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاء ھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بایات

اللہ فان اللہ سریع الحساب (۱۹:۳)

(بیشک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جنہیں دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آچکا ان کے پاس علم، محض آپس کی ضد سے اور جو انکار کرے آیات الٰہی کا سو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔)

یہی وہ دین ہے جو پورے عالم انسانیت کو ایک اصول پر جمع کرنے والا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اگر تمام لوگ اسلام کے صحیح معنی و مفہوم سے آگاہ ہو جائیں اور جس مقصد کی طرف یہ بلاتا ہے اسے سمجھ لیں تو دنیا میں کوئی ایسا انسان نہ ملے جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو تسلیم کرتا ہو، کیونکہ اسلام ہر روح کا مطلوب، انسان کے تمام فطری رجحانات سے ہم آہنگی رکھنے والا، اس کے ہر احساس اور ضرورت کا پورا کرنے والا اور امن اور ایمان کے ہر معنی کی بلندی کا منتہا ہے۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا مطلب یہی ہے:

وما ارسلنک الا کافہ للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر الناس لایعلمون (۲۸:۳۴)

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف خوشخبری اور ڈرسنانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

اگر اسلام ایسا دین نہ ہوتا جو انسان کی تمام قابلیتوں، رجحانات اور ہر قسم کے جذبات و احساسات سے ہم آہنگی رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں یعنی انسانوں اور جنوں کو اس پر عمل کا مکلف نہ ٹھہراتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی زبان رحمت سے ارشاد فرمایا ہے:

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا

(نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی شخص کو مگر اس کی طاقت کے مطابق)

دین اسلام کی وہ خوبیاں اور خصوصیتیں جن کی وجہ سے وہ ہمہ گیری اور دوام کی سند سے سرفراز ہوا، دو ہیں، یعنی

۱۔ انسانی فطرت سے ہم آہنگی

۲۔ عقل کامل کی تائید

۱۔ انسانی فطرت سے ہم آہنگی

جہاں تک انسانی فطرت کے تقاضوں کا تعلق ہے ' اس معاملے میں تمام لوگ ایک جیسے ہیں ۔ چنانچہ جس چیز کو ایک انسان اپنی فطرت کے مطابق صحیح سمجھتا ہے اسے دوسرے تمام انسان بھی اپنی فطرت کی رو سے اچھا سمجھتے ہیں ۔ اور جسے کوئی ایک انسان برا سمجھتا ہے اسے تمام انسان برا سمجھتے ہیں ۔

جہاں تک عقل کامل کی تائید کا تعلق ہے تو یہ چیز بھی اسلام کے احکام اور اس کے اوامرونواہی سے اچھی طرح واضح ہے ۔ کیونکہ عقل بھی اللہ کے نور کی ایک کرن اور اس کی حکمت کا ایک نشان ہے ۔

اسلام ان دونوں طبیعی امور پر اسی طرح بھروسہ کرتا ہے جیسے معمار عمارت کے مضبوط ستونوں پر اعتماد کرتا ہے ۔ چنانچہ انسانی فطرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فاقم وجهک للدین حنیفا فطرت الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۳۰:۳۰)

(پس قائم کرو تم اپنا رخ دین کی طرف سب سے منہ موڑ کر جو عین فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے پیدا کیا لوگوں کو ' نہیں کوئی ردو بدل فطرت الٰہی میں۔ یہی ہے دین سیدھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

اس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں پر یہ حقیقت واضح فرماتے ہیں کہ دین وہ چیز ہے جس پر فطرت الٰہیہ کی جانب سے ' انسانی نفوس کی تشکیل عمل میں آئی ہے ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں ایسی تعلیمات شامل نہیں ہونی چاہئیں جو اس کے مزاج سے ہم آہنگی نہ رکھتی ہوں ' یا اسے اس کے فطری راستے سے ہٹا دینے والی ہوں ۔ یہ ہر آمیزش سے پاک خالص فطرت ہی اسلام ہے ۔

تاہم اس موقف کی بھی صحیح صورت میں تطبیق کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی با اختیار قوت ہو جو حالات کے مطابق اس کی تطبیق کرے، کیونکہ لوگ اپنی افتاد طبع اور موروثی صفات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں - چنانچہ ان میں سے کوئی ٹھنڈا مزاج رکھتا ہے، اور ثابت قدمی سے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے، اور کوئی جلد بازی سے کام لیتا ہے اور اپنا مقصد فورا حاصل کر لینا چاہتا ہے - کوئی ان میں سے دور بین نگاہ رکھتا ہے اور اپنے فیصلے سوچ سمجھ کر کرتا ہے - کوئی ان میں سے کوتاہ بین ہوتا ہے، معاملے کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور نہیں کرتا - کچھ لوگ بہت زیادہ علم رکھتے ہیں اور کچھ بالکل تھوڑا - لہٰذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی فیصلہ کن قوت موجود ہو جس کے فیصلے کو تمام لوگ خوش دلی کے ساتھ قبول کریں - اور اس سے اختلاف صرف وہی لوگ کریں جو بالکل عقل سے کورے یا پکے ہٹ دھرم ہوں - یہ فیصلہ کرنے والی قوت عقل ہے - چونکہ انسان کو جو بعض امور کا مکلف کیا گیا ہے اس کی بنیاد اس کا عاقل ہونا ہے - اور چونکہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی قوت بھی عقل ہی ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ اس اہم کام کی ذمہ داری اسی پر ڈالی جائے - یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر زور دیا کہ انسان کو چاہیے کہ اس وسیع کائنات اور اس میں جا بجا پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں پر غور کرے اور اس کے ذریعے اپنی عقلی قوتوں کو تکمیل تک پہنچائے تاکہ اسے وہ خوبیاں حاصل ہو سکیں جن کا حاصل کرنا اس کے امکان میں ہے - اور وہ نعمتیں حاصل کر سکے جن کا حاصل کرنا اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے - نیز یہ کہ باطل اپنی رنگارنگی کے باعث اسے دھوکہ دینے میں کامیاب نہ ہو سکے -

پس میانہ روی پر کاربند فطرت کے حکم اور عقل کامل کے حکم کی یہ یکجائی اس دین کی اساس ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دے کر بھیجا تاکہ وہ اسے قائم کریں اور قوموں کے درمیان اس کی پوری پوری اشاعت ہو - مقصد یہ تھا کہ تمام قومیں اپنے دین اور عقائد کے اعتبار سے ایک ہو جائیں، جیسے وہ اپنی انسانی خصوصیات، فطرت اور عقل کے اعتبار سے ایک ہیں -

چونکہ اسلام عالم بشریت کے جدید دور میں قوموں کو ایک کرنے کے لیے آیا' لہٰذا اس کے تمام عقائد اسی جامع اصل پر مبنی ہیں - یہی وجہ ہے کہ ان عقائد کو قبول کرنے والے تمام لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور ان میں ایک دوسرے کے درمیان کوئی فرق نہ کریں - نیز انھیں جو کتابیں دے کر بھیجا گیا ہے انھیں اپنے ایمان کی اساس بناتے ہوئے ان کی بھی تصدیق کریں - تاکہ یہ دین ہر لحاظ سے عالمی خصوصیات اور عالمی رنگ اختیار کر لے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قولوا آمنا بالله وما انزل الينا وما انزل الى ابراهيم و اسمٰعيل واسحق و يعقوب والا سباط وما اوتى موسى وعيسى وما اوتى النبيون من ربهم لانفرق بين احد منهم و نحن له مسلمون (۱۳۶:۲)

(تم کہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور دیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم کسی ایک میں ان میں سے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں)-

۲- شریعت:

شریعت سے مراد دین کی ہر وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور دین مشروع قرار دی ہو' خواہ وہ قرآن مجید کے ذریعے مشروع قرار دی گئی ہو یا سنت رسول ﷺ کے ذریعے' یعنی آنحضور ﷺ کے قول' فعل یا تقریر کے مطابق - چنانچہ شریعت دین کے تمام اصولوں پر مشتمل ہے یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کی پاک ذات' اس کی اعلیٰ اصفات اور دار آخرت سے تعلق رکھتی ہو وہ اس میں شامل ہے - یہ وہ امور ہیں جن سے علم توحید میں بحث کی جاتی ہے - اسی طرح شریعت میں ایسی تعلیمات بھی شامل ہیں جو خود انسان کی اور اس کے اہل و عیال کی اصلاح اور

تہذیب نفس سے تعلق رکھتی ہیں - نیز ایسے امور جن پر اجتماعی تعلقات کی بنیاد قائم ہونی چاہئے وہ بھی شریعت میں شامل ہیں - یہ تمام وہ اعلیٰ مثالیں ہیں جن تک پہنچنے کی کوشش کی جانی چاہئے - اسی طرح وہ طریقے جن کے ذریعے ان اعلیٰ نمونوں یا زندگی کے مقصد تک پہنچا جاتا ہے ' وہ تمام شریعت میں شامل ہیں - یہ تمام چیزیں علم اخلاق کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں - اسی طرح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے وہ تمام احکام بھی شامل ہیں جو ہمارے اعمال سے تعلق رکھتے ہیں - یعنی حرام ' حلال ' کراہت ' مندوب اور مباح وغیرہ سے متعلق تمام احکام - یہ تمام چیزیں وہ ہیں جنھیں فقہ کا نام دیا جاتا ہے - محدثین کے ہاں فقہ کا جو لفظ معروف ہے وہ قانون ہی کے مترادف ہے-

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی اپنی وقیع کتاب " کشاف اصطلاحات الفنون " میں لفظ شریعت کی تشریح کرتے ہوئے اس کے پہلے جزو میں کہتے ہیں :

" شریعت سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے مشروع ٹھہرائے ہوں - اور اللہ کے نبیوں میں سے کوئی نبی انھیں لے کر آئے ہوں - خواہ ان کا تعلق عمل کی کیفیت سے ہو اور انھیں فرعی اور عملی کہا جاتا ہو ' جن کے لیے علم فقہ مرتب کیا گیا - یا ان کا تعلق اعتقاد کی کیفیت سے ہو اور انہیں اصلی اور اعتقادی کیا جاتا ہو جن کے لیے علم کلام وجود مین آیا - شرع کو دین میں ملت بھی کہا جاتا ہے " -

چنانچہ فقہ شریعت کی نسبت زیادہ خاص ہے کیوں کہ یہ شریعت کا ایک جزو ہے ' اور شریعت جن چیزوں پر مشتمل ہے ان میں سے بعض چیزیں اس میں بھی شامل ہیں -

امام جرجانی اپنی "کتاب التعریفات" میں کہتے ہیں :

" لغت میں فقہ سے مراد یہ ہے کہ کسی کلام سے اس کے متکلم کی غرض کو سمجھا جائے ' اور اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ عملی شریعت کے تفصیلی دلائل سے اس کے احکام کا علم حاصل کیا جائے - چنانچہ یہ وہ علم ہے جس کا استنباط رائے اور اجتہاد سے کیا جاتا ہے ' اور اس میں نظر اور

غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کی پوری زندگی سے بحث کرتا ہے' خواہ اس کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی امور سے اور دنیاوی امور جیسے قانون اور سیاست میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں "دینی اختیار" نے حضور نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین ہی کے زمانے سے سیاسی حکومت کی شکل اختیار کرلی تھی' اور یہ صورت حال' کم از کم اصولی طور پر' اب تک باقی ہے۔

اس طرح دین نے مسلمانوں کے تمام معاملات کو شریعت کی شکل دے دی۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں نے اس کی نشوونما میں اہم حصہ لیا۔ چنانچہ شریعت مسلسل ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ اس نے مسلمانوں کے تمام انسانی معاملات اور تعلقات کو نہایت عمدگی کے ساتھ منظم کرنے والے ایک عظیم ادارہ کی شکل اختیار کر لی' اور مسلمانوں کے تمام قوانین اس بنیادی اصول کے تابع ہو گئے جو فقہی' دینی اور الٰہی نقطہ نظر سے دنیاوی امور اور دینی امور میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

اسلامی فقہ اپنے ان جامع معانی کے لحاظ سے درحقیقت وہ چیز ہے جو اسلامی روح کو اس کی اصل شکل میں ہمارے سامنے لاتی ہے۔ اسی طرح یہ اسلامی فکر کو اس کی حقیقی خصوصیت کے مطابق ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ جو لوگ اسلامی روح اور اسلامی فکر کو اس کی حقیقی ابتدائی صورت میں دیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں انھیں چاہئے کہ وہ اس کا مطالعہ اسلامی فقہ میں کریں جو اجنبی اثرات سے بالکل پاک ہے۔ اس فقہ کی فکر اور طریقے میں کوئی بیرونی عنصر قطعاً" داخل نہیں ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی فقہ نے مغربی قوانین کو بہت زیادہ متاثر کیا' کیونکہ اسلامی فقہ قدیم زمانے میں اندلس کے راستے فرانس میں داخل ہوئی اور جدید دور میں مراکش اور الجزائر پہنچی۔ اسی طرح انگلستان اور بعض دیگر ممالک میں یہ قانون سازی کے ماخذ میں سے ایک اہم ماخذ رہی ہے۔

اہل مغرب جن کی حالت یہ ہے کہ وہ ہماری فقہ سے سیراب ہوئے اور اس سے انھوں نے بہت کچھ اخذ کیا' وہ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اس عظیم ورثہ سے دستبردار ہو جائیں اور اس سے کوئی تعلق باقی نہ رکھیں' انھوں نے بڑی کامیابی سے اس امر کی کوشش کی کہ ہم ان کے قوانین کو اپنا لیں اور انھیں اپنی زندگی میں نافذ کر دیں - انھوں نے ہمیشہ یہ چاہا کہ ہم اپنی فقہ اور اسلام سے دور ہو جائی - چنانچہ انھوں نے ہمارے دل میں یہ وہم ڈالا کہ ہم نے اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق استوار کر لی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں - اگر ہم جدید تہذیب کے ساتھ قدم ملا کر آگے نہ بڑھے تو متمدن زندگی ہمارے لیے خواب و خیال بن کر رہ جائے گی' اور ہم پس ماندگی' جمود اور رجعیت پسندی کے گڑھے میں پڑے کراہتے رہیں گے -

چونکہ اسلامی فقہ مسلمانوں کی زندگی کے اسی پہلو کی نمائندگی کرتی ہے' لہٰذا مغربی تہذیب کی جانب سے اسلام پر جو متواتر حملے ہو رہے ہیں ان کے خلاف اسلام کی پہلی دفاعی لائین اسلامی فقہ ہی ہے - یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی اصطلاح سے متعلق جو تحریکات تجدیدی کام کر رہی ہیں' وہ اپنے کام کا آغاز فقہ سے کرتی ہیں' کیونکہ اصلاح کے داعیوں کے نزدیک تاریخی اسلام کی نمائندگی فقہ ہی کرتی ہے - چنانچہ وہ ابتدائی اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں - وہ سمجھتے ہیں کہ پاکیزہ زندگی کا حصول صرف اسی کے ذریعے ممکن ہے - اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اجتماعی اور قانونی ترقی کی منزل تک پہنچا جا سکتا ہے -

ہم چاہتے ہیں کہ ۔ ابتدائی اسلام اور اس کی خصوصی قوتوں کا تعلق اس نظام سے قائم کر دیا جائے جو اس وقت ہماری قانونی زندگی میں عملاً رائج ہے - اور یہ بات اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہم فقہ اور قریبی زمانے میں اس کی ترقی کا جائزہ گہری نظر سے لیں' اور اس میں جو چیز ہمیں صحت مند' صحیح اور عملاً قابل نفاذ نظر آئے اسے لے لیں - ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی جدید قانونی عمارت کی تعمیر ان بنیادوں پر کریں جن پر اسلام اپنے ابتدائی زمانے میں قائم تھا' یعنی جب مسلمانوں میں

فقہی بیداری پائی جاتی تھی اور ان کے علماء اجتہاد و استنباط کی روش پر گامزن تھے۔

یہ ہیں وہ مقاصد جو ہم اسلامی فقہ کے مطالعے اور اجتہاد پر زور دے کر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جس دور میں زندگی گزار رہے ہیں اس میں بے شمار شرعی مصادر اور وسائل ہماری دسترس میں آ گئے ہیں۔ وہ اب اس کثرت سے ہمارے ہاتھوں میں ہیں کہ اس سے پہلے لوگوں کو حاصل نہ تھے۔ اب ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم پوری محنت، اعتماد اور اخلاص کے ساتھ اپنے فرض کی بجا آوری میں مصروف ہو جائیں۔

اسلامی فقہ کے مطالعے کا مقصد

اسلامی شریعت، (جس کی ایک بڑی شاخ فقہ ہے) ہر دور اور ہر مقام کے لیے موزوں ہے۔ یہ ایک ایسا صحیح مسلمہ نظریہ ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ تمام مسلمان اس نظریے سے دلی وابستگی رکھتے ہیں، اور انھیں اس کا حق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نظریے کی صحت کو دنیا کے سامنے واضح کریں، کیونکہ یہ ہمارے دینی عقیدہ کا جزو بن چکا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم دلیل اور برہان کے ساتھ اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے پوری جدوجہد بروئے کار لائیں۔

ظاہر ہے کہ یہ کام صرف اس طرح تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا کہ وضعی قانون اور اسلامی فقہ میں پائے جانے والے بعض نظریات اور آراء کی مشابہت کو ثابت کر دیا جائے۔ اور نہ اس طرح کہ قانون کی ذیلی شاخوں، جیسے دیوانی قانون، کی رسمی قانون سازی کی کچھ تفصیلات سامنے لے آئی جائیں۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنا پورا قانونی نظام نہایت واضح اور مبسوط صورت میں اسلامی فقہ سے اخذ کریں۔ کیونکہ اسلامی فقہ کا ایک خاص مزاج اور اپنی خوبیاں ہیں۔ اس کے اپنے خاص اصول ہیں۔ یہ وقت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی اور بے شمار مختلف مشکلات کو حل کرتی ہے۔ ہماری فقہ میں ایسے وسیع، عمدہ آفاقی اصول موجود ہیں۔ جن کی بنیاد پر تمام مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

مغرب کے علمائے قانون اسلامی شریعت کی حقیقی قدروقیمت سے آگاہ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بعض قانونی کانفرنسوں اور اجتماعات میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اسلامی شریعت قانون سازی کی بنیاد بن سکتی ہے۔ تقابلی قانون کی ایک کانفرنس اگست ۱۹۳۸ میں دی ہیگ کے مقام پر منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں جو قرار دادیں منظور کی گئیں ان میں کہا گیا کہ:

۱۔ اسلامی شریعت قانون سازی کی بنیاد بن سکتی ہے۔

۲۔ اسلامی شریعت ایک زندہ قانون ہے جس میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

۳۔ اسلامی شریعت کا اپنا ایک مقام ہے، اور یہ کسی دوسرے قانون سے ماخوذ نہیں۔

اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے مقصد تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ یعنی اسلامی فقہ کو اپنی جدید قانون سازی کا اولین ماخذ قرار دیں۔ یہ ایسا اہم مقصد ہے جسے ہر وہ مسلمان حاصل کرنا چاہتا ہے جو اپنے دین، اپنی ملت اور اپنے وطن سے محبت رکھتا ہے۔ وہ وطن جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر پہلو سے آزاد اور خود مختار ہو، خصوصا قانون سازی کے پہلو سے۔

ہمارا فرض ہے کہ اسلامی فقہ کی توضیح و تفسیر اس کے اولین مصادر کے مطابق کریں۔ اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہم اس کے مصادر و ماخذ کو علمی انداز میں شائع نہیں کر لیتے۔ مقصد یہ ہے کہ فقہ سے دلچسپی رکھنے والوں اور محققین کے لیے ان مصادر کا حصول آسان ہو۔ اس کے بعد ہمیں فقہ کی دیگر بنیادی کتابیں شائع کرنی چاہئیں جو بعد کے ادوار میں لکھی گئیں۔ ایسی کتابیں کسی ایک مذہب کی نہیں ہونی چاہئیں، اور نہ صرف معروف مذاہب اربعہ کی بلکہ دوسرے مذاہب، جیسے شیعہ زیدیہ، امامیہ، یا جیسے مذہب ظاہریہ اور اباضیہ کی کتابیں بھی شائع کی جانی چاہئیں۔ کیونکہ ان مذاہب کی کتابوں میں بھی فقہی افکار و آراء کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے ہم اپنی اجتماعی اور تشریعی بیداری میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

جب ہمیں ان مختلف مذاہب کی معرفت اچھی طرح حاصل ہو جائے گی تو پھر ہمارے لیے ضروری ہو گا کہ ہم ان کا مطالعہ جدید اسلوب کے مطابق کریں نہ کہ اس طریقے سے جس طرح کا تقلیدی مطالعہ ہم اب تک کرتے چلے آئے ہیں - ہمارا مطلب یہ ہے کہ مطالعہ تقابلی نوعیت کا ہونا چاہئے - یعنی اول تو خود اسلامی مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے ' اور دوسرے جدید قوانین اور اسلامی فقہ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے - اس طرح کے تقابلی مطالعہ کی اہمیت علم و معرفت کے ہر پہلو سے ایسی چیز ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا -

اس نکتے کو ہمارے عظیم استاذ ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا - انھوں نے کتاب "النظریہ العامہ للالتزامات" حصہ اول بعنوان "اسلام کا نظریہ عقد" پر اپنے افتتاحی مقالہ میں اس نکتے کو یوں بیان کیا:

" اگر ہمارے لیے یہ ممکن ہو گیا کہ ہم اپنی فقہ کو ایک مستقل شکل دیدیں اور اسے مصری فضا میں ڈھال کر مصری بنیادوں پر استوار کر دیں اور وہ اپنے ذاتی عناصر ترکیبی پر اٹھ جائے ' تب بھی ہم پر صرف ایک فریضہ رہ جائے گا - وہ یہ کہ ہم اسے مصر کے قومی دائرے سے نکال کر عالمی سطح تک پھیلا دیں - یوں ہمارے لیے ممکن ہو گا کہ ہم اس قرض کی ایک قسط ادا کر دیں جو عالمی قانون کی ترقی کے سلسلے میں ہم پر واجب الادا ہے - جسے ماہرین قانون " جدید قانون " کا نام دیتے ہیں - اس مقصد کے حصول کا اہم زینہ یہ ہے کہ ہم فقہ اسلامی کی طرف توجہ کریں - یہ روح مشرق کی شریعت ہے اور مشرقی دماغوں اور بہترین اذہان کی نچوڑ ہے - یہ فقہ مشرق کے صحراؤں ' میدانوں اور وادیوں میں پروان چڑھی ' یہ دراصل روح مشرق کا ایک چراغ ہے ' اور اسلام کا دیا ہے ' اس میں اسلام اور مشرق باہم سموگئے ہیں ' یہ شریعت نور اسلام سے منور ہے اور اس میں روح مشرق جاری و ساری ہے - اور یہ دونوں باہم گھل مل گئے ہیں ' اور ایک ہی چیز بن گئے ہیں - یہ ہے اسلامی شریعت ' اگر ہم اس کی راہوں کو پا

سکیں اور اسکے اطراف و اکناف تک رسائی حاصل کر سکیں تو ہم اپنے قانونی نظام میں استقلال کی روح پھونک سکیں گے اور ہمارا عدالتی نظام بھی ایک مستقل نظام بن جائے گا اور ہمارا قانونی نظام بھی اپنا اور ایک مستقل قانونی نظام بن جائے گا۔ اس روشنی کو لیکر جب ہم پوری دنیا کے قوانین پر نظر ڈالیں گے تو قانون کے میدان میں دنیا کے سامنے ہم ایک علمی اور ثقافتی پہلو نمایاں کر سکیں گے۔"

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ استاد سنہوری نے جدید دیوانی قانون کی تدوین میں فقہ اسلامی سے استفادہ کیا اور دیوانی قانون کے مختلف شعبوں میں اسلامی شریعت سے احکام لیے گئے۔ اور یہ احکام و قوانین' جدید قوانین کے مصدر بن گئے۔ لیکن اسلامی شریعت نے ابھی تک وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اس کا حق ہے۔ اس کے بعد وہ اس موضوع پر یہ مزید صراحت کرتے ہیں:

"یہ بات کہ اسلامی شریعت دیوانی قانون کا ماخذ اول قرار پائے اور اس کی پوری عمارت شریعت پر استوار ہو' یہ ابھی تک ہماری آرزوؤں میں سے ایک آرزو ہے۔ یہ ایک ایسی خواہش ہے جس کے لیے ہمارے دل دھڑکتے ہیں اور جس کے لیے ہم اپنے سینوں میں درد محسوس کرتے ہیں' لیکن اس آرزو کے حقیقت بننے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم شریعت اسلامیہ کی تدریس کے لیے ایک نشاۃ ثانیہ کی تحریک برپا کریں اور یہ تدریس جدید نظامہائے قانون کو پیش نظر رکھ کر ہو' اور اس علمی تحریک ہی کے نتیجے میں اسلامی شریعت ہمارے دیوانی' قانون کا ماخذ بن سکے گی۔

میں کہتا ہوں کہ جب ایسا وقت آ جائے جس میں اسلامی شریعت ماخذ قانون بننے کے قابل ہو جائے اور یہ وقت بہت جلد ہی آنے والا ہے انشاء اللہ' تو پھر ہم اسلام شریعت کی بنیاد پر ایک مکمل قانونی نظام' نہایت ہی سہل دفعات کی شکل میں مدون کر سکیں گے جو عصر حاضر کے کے بہترین قوانین پر مشتمل ہو گا۔ یہ صورت حال اس وقت ان کتب فقہ کے مطالعہ کے دوران بسا اوقات دیکھنے میں آتی ہیں اور جہاں لا

تعداد آراء کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے ہاں اردن میں اللہ کے فضل اور بعض فضلا کی جدوجہد سے اسلام کا دیوانی قانون ' ایک نئے شکل میں مدون ہو چکا ہے اور ہم نے اسلامی شریعت سے ایک واضح مواد جمع کر دیا ہے ' امید ہے کہ دیوانی قانون کے بعد ہم قانون کے دوسرے شعبوں میں بھی شرعی مواد جدید اسلوب میں ' مدون کر لیں گے۔

۴۔ اسلامی فقہ کا مزاج

زیر نظر چند صفحات میں یہ بات ممکن نہیں کہ اسلامی فقہ کی ان تمام خوبیوں اور خصائص کا احاطہ کر لیا جائے جن کی بنیاد پر وہ فقہ کی ان تمام قسموں اور قوانین سے ممتاز ہے جن سے دنیا آج تک واقف رہی ہے۔ لیکن اختصار کے ساتھ یہاں اس کی چند خوبیاں بیان کی جا سکتی ہیں ' جو مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ اسلامی فقہ اپنی عمومی بنیادوں کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی پر مبنی ہے۔

۲۔ شریعت کے احکام دینی اور اخلاقی احساس پر مبنی ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنا آسان ہے۔

۳۔ جو لوگ اسلامی شریعت پر عمل کرتے ہیں ' اس کا بدلہ انھیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ ملتا ہے۔

۴۔ اسلامی شریعت کا مزاج اجتماعی ہے

۵۔ یہ ہر زمانے اور ہر مقام کے حالات کے مطابق ترقی کے اصول کو قبول کرتی ہے

۶۔ یہ امر کہ آیا اسلامی شریعت دنیا کے دوسرے قوانین سے متاثر ہوئی یا نہیں ہوئی

۷۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی خصوصی اور عمومی زندگی کو منظم کیا جائے اور اسے آسان بنایا جائے ' نیز پوری دنیا کی سعادت و خوش بختی اور اسے باہمی تنازعات سے پاک رکھنے کے لیے کام کیا جائے۔

اسلام اس وقت آیا جب پہلے مذاہب میں سے ہر ایک اپنی غرض و غایت پوری کر چکا تھا' اور انسانیت اسلام کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھی اور ایسے آسمانی پیغام کی شدت سے ضرورت محسوس کر رہی تھی جو دوسرے تمام پیغامات کو ختم کر دینے والا ہو ۔ اس وقت انسانیت نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ایک نئے دین کی منتظر تھی جس کے ساتھ قدم ملا کر وہ آگے بڑھے اور عزت و کرامت اور سعادت و خوش بختی کی زندگی سے شاد کام ہو ۔ ایسی زندگی جس میں کسی ایک جنس اور دوسری جنس کے درمیان یا ایک قوم اور دوسری قوم کے درمیان کوئی فرق نہ ہو ۔ اس وقت پوری دنیا میں ہر جگہ اور ہر مقام پر وحشیانہ لا قانونیت اور اضطراب و بے چینی پھیل جانے کے باعث ظلمت و تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ چنانچہ اس فتنہ و فساد سے بھری ہوئی فضا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر وحی نازل فرمائی کہ وہ عالمی بنیاد پر پوری انسانیت کے درمیان الفت و محبت کا جھنڈا بلند فرمائیں اور وحی کے نور کی روشنی میں اسے انتہائی مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (۴۹ : ۱۳)

(اے لوگو! بیشک ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیں تمھاری شاخیں اور قبیلے تاکہ تمھیں آپس میں پہچان ہو بیشک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے)

اس مقصد کے لیے اسلام نے اپنا وسیلہ سچے عقیدے کے بیان کو بنایا اس لیے کہ عقیدے ہی کے اختلافات کے سبب دنیا کی تمام قوموں کے درمیان شدید اخلافات پیدا ہوئے اور وہ ایک دوسرے سے برسرپیکار بے شمار متحارب گروہوں میں تقسیم ہوئیں ۔ عقیدے کی اصلاح کے علاوہ اسلام نے ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ فرد اور جماعت کی مہذب و متوازن زندگی کی تعمیر کے لیے صحیح تنظیم قائم کی اور جامع قوانین

مدون کر کے نافذ کئے۔

چنانچہ اسلامی فقہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی ہے۔ وہ وحی جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول ﷺ کی سنت میں ملتی ہے جس کے متعلق ارشاد باری عزاسمہ ہے:

ومایَنطق عن الھوی (۵۳:۳)

(اور نہ ہی وہ بولتا ہے خواہش نفس سے)

ان دو مصادر میں ہمیں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جسے ہم آج کل جدید قانون کی مختلف قسموں کے نام سے پہنچانتے ہیں جیسے مدنی قانون، تجارتی قانون، سزاؤں کا قانون، دستوری قانون، بین الاقوامی قانون۔ اسی طرح قانون کی اور دوسری قسمیں اور شاخیں وغیرہ۔

ہر فقہ ان دو مصادر یا اساسی ماخذ میں مذکور نصوص کا پابند ہوتا ہے۔ اور اگر ان مصادر میں اسے کوئی نص نہ ملے تو اس صورت میں اسے شریعت کی روح، اس کے مبادی، اس کے اصول اور مقاصد سے راہنمائی حاصل کرنی پڑی ہے۔ ان تمام صورتوں میں بلاشبہ اجتہاد کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ ان سب امور کی وضاحت انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔

اس کے برعکس وضعی قانون کی یہ صورت ہے کہ وہ مختلف قوموں کے اختلاف اور اپنے متعدد مذاہب نیز اقسام کی کثرت کے باعث انسانی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس میں تقدس کی وہ کیفیت نظر نہیں آئی جو اس تشریع میں پائی جاتی ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے، یعنی وہ وحی الٰہی جس پر باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے کیونکہ وہ ایک حکیم حمید ہستی کی نازل کردہ ہے۔

کسی قانون کی جو غرض و غایت ہوتی ہے وہ صرف اس کی اچھی تدوین و ترتیب اور احکام کی عمدگی سے پوری نہیں ہوتی بلکہ ضروری ہے کہ اسے ان لوگوں پر نافذ بھی کیا جائے جن کے لیے وہ بنایا گیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ اسے دل و جان سے قبول کریں۔ قانون کے مبنی بر انصاف ہونے کا یہ احساس

ان لوگوں کی رضامندی اور ان کے اس اعتقاد سے سامنے آتا ہے کہ اگر وہ اس قانون سازی اور اس کے احکام پر راضی رہے تو قانون بنانے والے کی جانب سے اجرو ثواب کے مستحق ٹھہرائے جائیں گے۔

اسلامی تشریعات جیسا کہ وہ ہمیں قرآن و سنت میں نظر آتی ہیں ' درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہیں کیونکہ وہ سب دینی اور اخلاقی احساس پر قائم ہیں - یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے لیے وہ وضع کی گئی ہیں ' وہ ان کی صحت اور صداقت پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں ' اور ان کے نفاذ سے کلی طور پر راضی اور مطمئن ہیں -

انسانی نفس میں انانیت اور خود غرضی کے جوداعیات ودیعت کر دیے گئے ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے اچھی طرح واقف ہیں - یہی وجہ ہے کہ وہ اسلامی قانون سازی میں مسئلے کے اخلاقی اور جذباتی پہلوؤں پر بہت زور دیتے ہیں ' جیسے ' اسلامی قانون میں پڑوسیوں کے ایک دوسرے پر حقوق کی نسبت اس حد تک زور دیا گیا ہے کہ اسے اللہ کی عبادت کے حکم اور شرک کی ممانعت سے ملا دیا گیا ہے - چنانچہ کہا گیا ہے:

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمسکین والجار ذی القربی والجار الجنب (۳۶:۴)

(اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک ٹھہراؤ اس کے ساتھ کسی کو اور احسان کرو ماں باپ سے اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ سے)

اس چیز پر حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی بہت سی احادیث میں زور دیا ہے ' چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ:

مازال جبریل یوصی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ

" مجھے (حضرت) جبریل (علیہ السلام) پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے مال میں بھی وارث بنا دیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلایوذ جارہ

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے۔

اس موضوع کی اور بھی بے شمار احادیث ہیں جو کتب احادیث میں شامل ہیں۔

اسی طرح زکوۃ کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید اہل ایمان کے دل میں یہ بات بٹھا دینا چاہتا ہے کہ زکوۃ کا ادا کرنا خود زکوۃ دینے والے کے لئے اچھا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ:

خذ من اموالھم صدقہ تطھرھم وتذکیھم بھا (۹:۱۳)

(لے لیجئے ان کے مالوں میں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کر دیں ان کو اور صاف کر دیں انھیں اس سے)

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں صدقے کی ادائیگی پر زور دیا ہے اور ان لوگوں کو شدید عذاب کی وعید سنائی ہے جو زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیں۔ اس کے بعد آپ نے صدقہ دینے والے کو تاکید کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اسے بہت اچھا عطا کریں گے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

مامن یوم یصبح العبادفیہ الا وملکان ینز لان فیقول احدھما اللھم اعط منفقا" خلفا" ویقول الاخر اللھم اعط ممسکا" تلفا

(کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جب بندے صبح کو اٹھتے ہوں اور دو فرشتے نازل نہ ہوتے ہوں اور ان میں سے ایک یہ نہ کہتا ہو: اے اللہ! اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو اچھا بدلہ دے! اور دوسرا یہ نہ کہتا ہو کہ: اے اللہ بخیل کے مال کو تلف کر دے۔)

عقیدے اور وطن کا دفاع اور اس کے لیے جہاد کرنا اسلام کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عقیدے کے دفاع، وطن کی حفاظت اور دین کے تحفظ کے لیے جہاد کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام نے صرف اس

کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کی پوری رغبت دلائی ہے اور اس کے فضائل و ثمرات بیان کیے ہیں - اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اکثر لوگوں کی فطرت اس طرح بنائی گئی ہے کہ جس طرح انہیں اپنی جان سے محبت ہے اسی طرح اپنے مال سے بھی محبت ہے - جس طرح وہ اپنی جان دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں اسی طرح اپنا مال خرچ کرنے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ترغیب کی مختلف صورتوں کے ذریعے لوگوں کو جہاد کی رغبت دلائی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے - اور یہ کہ دنیا میں جہاد کا بدلہ مال غنیمت اور اللہ کی مدد ہے' اور آخرت میں جنت! یہ بات قرآن مجید کی بہت سے احادیث مبارکہ میں کہی گئی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل اویغلب فسوف نوتیہ اجرا عظیما (۷۴:۴)

پس لڑنا چاہئے راہ میں اللہ کی ان لوگوں کو جو بیچتے ہیں زندگی دنیا کی بدلے آخرت کے اور جو لڑے راہ میں اللہ کی پھر وہ قتل ہو یا غالب رہے ہم دیں گے اسے ثواب بڑا)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنہ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون (۹:۱۱۱)

(بیشک اللہ نے خرید لیا ہے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو بدلے میں اس کے کہ ہو ان کے لیے جنت وہ لڑتے ہیں راہ خدا میں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں-)

اس کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں جہاد کی فضیلت پر زور دیا گیا ہے' مثلاً

تکفل اللہ لمن جاھدفی سبیلہ لایخرجہ من بیتہ الاالجہاد

فی سبیلہ و تصدیق کلماتہ ان یدخلہ الجنہ اویر دہ الی مسکنہ بمانال من اجر او غنیمہ

جو شخص اپنے گھر سے جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کے کلمات کی تصدیق کے لیے نکلے اور اس کے سوا اس کی کوئی دوسری غرض نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ضمانت دیتے ہیں کہ یا اسے جنت میں داخل کریں گے یا اجر یا غنیمت کے ساتھ اسے اس کے گھر میں لوٹا دیں گے۔

حضور ﷺ کی ایک دوسری حدیث میں کہا گیا ہے کہ:

"اللہ کی راہ میں صبح چلنا یا شام کا نکلنا دنیا و ما فیھا سے بہتر ہے"۔

جہاد سے متعلق قانونی حکم کو لوگوں کے لیے قابل قبول اور پسندیدہ بنانے کا یہ طریقہ نیز اللہ کی راہ میں جان قربان کر دینے کا جذبہ پیدا کر دینا ایسے عوامل ہیں جنھوں نے اہل ایمان کے دلوں کو انتہائی گہرائی تک متاثر کیا۔ چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں اور قریش کا پہلی مرتبہ آمنا سامنا ہوا تو حضور کریم ﷺ نے لوگوں کو ثابت قدم رہنے اور جنت کی ترغیب دینے کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ کی پر اثر تقریر سن کر حضرت عمیر بن الحمام ؓ، جن کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں اور وہ انھیں کھا رہے تھے، بولے:

"یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے اور جنت کے درمیان صرف یہ رکاوٹ ہے کہ یہ لوگ (قریش) مجھے قتل کر دیں!" یہ کہا اور تلوار کھینچ کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے اللہ کی راہ میں جان دے دی!

واضح کر دی گئی ہے کہ جو لوگ اس قانون پر عمل کریں گے انھیں دنیا و آخرت میں ثواب ملے گا' اور جو اس سے پہلو تہی کریں گے وہ دنیا و آخرت میں اپنے کیے کی سزا پائیں گے - اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ آخرت کی جزا دنیا کی جزا سے یقیناً" بڑھ کر اور دائمی ہے - یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے گہرے دلی احساسات کے تحت یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی فقہ کے احکام پر عمل کیا جانا چاہئے اور اس کے اوامر و نواہی کی پیروی ہونی چاہئے -

گویا اسلامی قانون سازی کا مقصد فرد اور معاشرے کی بھلائی کے لیے کام کرنا ہے' اور کا مزاج اجتماعی ہے - اسلامی فقہ کا یہ مزاج اور اس کی یہ اجتماعی چھاپ ہمیں عبادات کے معاملے میں واضح طور پر نظر آتی ہے - اسی طرح معاملات سے متعلق احکام میں بھی اس کی یہ خصوصیت نہایت نمایاں ہیں - جیسا کہ ہم ہر روز اپنی عملی زندگی میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں - ان دونوں پہلوؤں سے متعلق تشریعات کا مقصد فرد کی تہذیب و اصلاح اور پورے معاشرے کی عمومی اور کلی بھلائی ہے - اس سلسلے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو پیش کی جا سکتی ہیں' لیکن ہم اختصار کے پیش نظر تھکا دینے والی تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ضروری امور کی طرف اشارہ کریں گے - مثلاً نماز' روزہ' زکوۃ اور حج کے فرض ہونے' خرید و فروخت کے حلال ہونے' سود کے حرام ہونے' یتیموں اور پڑوسیوں کی خاطر داری' معاہدوں کو پورا کرنے' صالح خاندان کے قیام کے لیے' جو معاشرے کی بنیاد بنتا ہے' زنا کو حرام قرار دینے' شادی بیاہ کو حلال ٹھہرانے' معاشرے کی حفاظت کے لیے حدود کے قیام اور اسی طرح دیگر تمام احکام جو کبھی ترغیب کی صوت میں کبھی تربیت کی صورت میں بطور امر' نہی' حلال اور حرام نازل ہونے ان کے مشروع ہونے کی حکمت پر غور کیا جانا چاہئے - لیکن اگر اس طرح کی تمام مثالیں جمع کی جائیں تو ہمیں اپنی بات پوری کرنے کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہو گی' لہٰذا ہم ان میں سے یہاں صرف چند پر اکتفا کریں گے :

مثلاً شوہر کا یہ حق ہے کہ بیوی اس کی اطاعت گزار اور فرمانبردار رہے تاکہ

اس کے لیے باعث سکون ہو - اور نکاح سے وہ فوائد اور ثمرات حاصل ہوں جن کی اس سے توقع کی جاتی ہے - لیکن یہ حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کے استعمال سے بیوی کو کوئی ضرر نہیں پہنچنا چاہئے - اگر اسے کوئی ضرر پہنچا تو قاضی شوہر کو یا اس حق کے استعمال سے روک دے گا' یا اس کے لیے کوئی مناسب حد مقرر کر دے گا - حتی کہ بعض حالات میں بیوی کو یہ حق بھی حاصل ہو گا کہ وہ اپنے اور شوہر کے درمیان تفریق کا مطالبہ کرے - چنانچہ اللہ تعالیٰ رب العزت کا ارشاد:

فامسکو ھمن بمعروف اوسرحوھن بمعروف ولا تمسکو ھن ضرارالتعتدوا (۲۳۱:۲)

(روک لو انھیں حسن سلوک سے یا چھوڑ دو انھیں دستور کے مطابق اور نہ روکے رہو ان کو تکلیف دینے کو)

اسی طرح حکام کا یہ حق ہے کہ رعیت ان کی بات سنے اور قوم ان کی اطاعت کرے - لیکن یہ حق اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ حکام قوم کے ساتھ اپنے حکم اور سیاست میں لوگوں کی عمومی مصلحت کا خیال رکھیں - جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

السمع والطاعہ علی المرء المسلم فیما احب اوکرہ مالم یومر بمعصیہ فان امر بمعصیہ فلاسمع ولا طاعہ

مسلمانوں کے لیے اپنے حکمرانوں کا حکم ماننا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے - خواہ جو حکم دیا گیا ہے وہ انھیں پسند ہو یا ناپسند' جب تک کہ وہ انھیں معصیت کا حکم نہ دیں' اگر معصیت کا حکم دیں تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا -

یہ حکم جیسا ہم دیکھتے ہیں' حکمرانی کے اصولوں میں سے ایک نہایت اہم اصول ہے' کیونکہ اس میں نہایت دقت نظر کے ساتھ حاکم کے اختیار اور محکوم کے حق کی تحدید و وضاحت کر دی گئی ہے - حقیقت یہ ہے کہ اس حکم کی پیروی میں پوری امت کی مصلحت کار فرما ہے -

چنانچہ اس امر میں قطعاً" کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی فقہ صاحب حق کے حق کی حفاظت کرتی ہے اور اسے اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنا حق اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ اسلامی شریعت نہ صرف صاحب حق کے حق کو غیروں کی دستبرد سے بچاتی ہے بلکہ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور پہلو سے بھی کام کرتی ہے یعنی اس کی تعلیم یہ ہے کہ صاحب حق جب اپنا حق استعمال کرے تو اس سے غیر کو اس حد سے زیادہ ضرر نہیں پہنچنا چاہئے جس کی اجازت صاحب حق کو حاصل ہو۔ اس اصول کا اطلاق شریعت کے اس عظیم قاعدے کے مطابق کیا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لاضرر ولا ضرار (نہ کسی کو نقصان پہنچایا جائے نہ کسی سے نقصان اٹھایا جائے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عمل کے نتیجے میں دو نقصانوں سے سابقہ پیش آتا ہو تو بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعے دور کیا جائے۔ چنانچہ اس قاعدے سے یہ حکم نکلتا ہے کہ حق کا استعمال کیا جانا چاہئے۔ اس کی تطبیق میں صاحب حق اور غیر دونوں کی مصلحت کار فرما ہے۔

مذکورہ بالا مثالیں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اسلامی فقہ اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ اجتماعی ہے۔

اسلامی فقہ کی یہ خصوصیت ہمیں قرآن مجید و سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احکام و آراء میں صاف نظر آتی ہے اور یہی چیزیں اسلامی شریعت کے مصادر اصلی ہیں۔ اور یہ اس لئے، جیسا کہ ہم نے پہلے کہا، اسلامی شریعت صرف فرد کی بھلائی کے لیے وجود میں نہیں آئی، بلکہ اس کا مقصد پورے معاشرے کی زیادہ سے زیادہ حد تک، مصلحتوں کا تحفظ ہے۔

اسلامی فقہ میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کا ذکر کیا گیا، اور یہی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اسے سند دوام عطاء ہوئی اور وہ زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی رہی۔ چنانچہ اگر ہم ابتدا سے اس کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ دور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس کی کیا صورت تھی اور مجتہد علماء میں سے سلف صالحینؒ کے ہاتھوں میں اس نے کس طرح نشوونما پائی اور پختگی کی حدوں کو کس طرح

پہنچی - کس طرح اس نے ایک عظیم میراث اور ایسی ثروت کی شکل اختیار کی جس کی قدرو قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا - اگر ہمارے علماء اجتہاد کا عمل جاری رکھتے ' اور یہ فریضہ اس صورت میں بجا لاتے جو اس کا حق تھا ' وہ قدیم آراء و افکار پر جم کر نہ بیٹھ رہتے تو امت اسلامیہ کو ہرگز اس امر کی ضرورت پیش نہ آتی کہ وہ مغربی قوانین سے استفادہ کرے اور ان کی تشریعات یا قوانین کا سہارا لے -

اس طرح ہم ایک ایسی افسوس ناک حالت پر پہنچ گئے کہ ہمیں مغرب سے ہر چیز لینی پڑی ' حتی کہ ہماری حالت یہ ہو گئی گویا ہم ایسی امت ہیں جس کے نہ کوئی ذاتی خصائص ہوں ' نہ عظیم میراث ' نہ پاکیزہ روایات - اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنی شریعت کی طرف لوٹیں اور اس سے وہ سب کچھ حاصل کریں جس سے ہماری ضرورتیں پوری ہوں - ہم اسلامی قانون سازی میں اپنی آزادی اور خود کفالت کے لیے کام کریں - یہ سب کچھ آپ کی مہربانی اور حوصلہ افزائی سے ہو اور ہم اس صراط مستقیم پر آگے بڑھیں -

اسلامی فقہ میں ترقی کے وسائل بہت سے ہیں ' لیکن ہم ان میں سے صرف چند کا ذکر یہاں کرتے ہیں ' یعنی اجماع ' قیاس ' استحسان ' مصالح مرسلہ خاص شرائط کے تحت عرف کی رعایت وغیرہ - اجتہاد اور اسلام میں مصادر تشریع کے بعد انشاء اللہ ان تمام اصولوں کے بارے میں گفتگو کی جائے گی -

علاوہ ازیں اب ایک سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی فقہ رومی قانون سے متاثر ہوئی ؟ رومی قانون جو بہت سے ایسے ممالک اور شہروں ' خصوصاً شام اور مصر میں رائج تھا ' جو مسلمانوں نے فتح کئے ؟ یہ دعوی بعض ایسے مستشرقین نے کیا ہے - جو آزادانہ رائے اور بے لاگ سوچ نہیں رکھتے - انھوں نے عربی اسلامی تہذیب اس کے خصائص اور ان بنیادوں کے بارے میں لکھا ہے جن پر وہ قائم ہے - اس ضمن میں انھوں نے بعض تاثرات بھی بیان کیے ہیں جن سے یہ عقد متاثر ہوا - اس سلسلے میں بعض مستشرقین نے تو اس حد تک غلو سے کام لیا ہے کہ انھوں نے رومی قانون کو اسلامی فقہ کے مصادر میں سے ایک مصدر شمار کیا ہے - لیکن یہ سب کچھ بغیر کسی

شہادت اور دلیل کے کیا گیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ خود فقہ اور اس کے اصولوں کو نہیں سمجھ سکے۔ اس کی وجہ سوائے اندھے جبر' غرور اور بے پایاں جہالت کے کچھ نہیں۔

ایسے مستشرقین جنھوں نے یہ کہا' کہ اسلامی فقہ بہت بڑی حد تک رومی قانون سے متاثر ہوئی ہے' ان میں سے ایک گولڈز میئر ہے' جو مذھبا" یہودی ہے۔ بعض لوگ اس کا نام "گولڈ تیمر" لکھتے ہیں۔ اسی طرح ہالینڈ کا مستشرق "دی بور" ہے جو کہتا ہے کہ:

"جب مسلمانوں نے ایسے ممالک فتح کیے جو قدیم تہذیب و تمدن کے مراکز تھے تو انہیں ایسی ضرورتوں اور جماعتوں سے سابقہ پیش آیا جن سے وہ قبل ازیں واقف نہ تھے۔ اسی طرح ان ممالک کی فتح کے بعد یہ صورت پیش آئی کہ عرب کی سادہ طرز زندگی کی جگہ ایسی عادات' طور طریقوں اور رسموں نے لے لی جن کے متعلق اسلامی شریعت میں وقت نظر کے ساتھ کوئی ایسی واضح رہنمائی پیش نہیں کی گئی تھی جس کے ذریعے یہ معلوم ہو سکتا کہ ان معاملات کا قانونی جواز کیا ہے۔ نہ ان معاملات کی نسبت سنت میں کسی نص یا تاویل کے ذریعے کوئی ایسی چیز ملتی تھی جس کی بنیاد پر ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے کوئی صحیح طریق کار دریافت کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے جزئی واقعات میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ ایسے واقعات تھے کہ ان کے بارے میں نہ تو نص موجود تھی' نہ مسلمانوں میں اتنی اہلیت تھی کہ وہ ان کے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ دے سکتے جو یا تو عرف کے ساتھ موافقت رکھتا ہو یا خیر کے معنی تک پہنچنے کے لیے ان کے ادراک کی رہنمائی کر سکتا ہو۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ رومی قانون' شام اور عراق میں' لازمی طور پر ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کی زندگی کے قانونی پہلو کو نہایت شدت کے ساتھ متاثر کرتا رہا۔ اور یہ دونوں خطے وہ ہیں جو قدیم رومی سلطنت کے صوبے تھے۔"

اس مسئلے میں جن لوگوں نے اس حد تک غلو سے کام لیا کہ اہل علم (تاریخ الفلسفہ فی الاسلام) کے ذہن میں ان لوگوں کی صحیح علمی ' اور اس تاریخی بحث کے مطالعے کے بعد ' سامنے آنے والی دلیل سے عاری آراء کی نسبت مستخاف اور تحقیر کے احساسات پیدا ہوئے ' ایسے لوگوں میں سے ایک مستشرق آموس ہے جس نے دعوی کیا کہ :

"اسلامی قانون اس رومی قانون کے سوا کچھ نہیں جو رومیوں نے مشرقی سلطنت کے عربی مقبوضات میں ان کے سیاسی احوال کے مطابق ڈھال کر نافذ کیا گیا تھا۔"

اس رائے کے حامل لوگوں کے پاس اپنی حمایت میں اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ انھوں نے دیکھا ' اسلامی فقہ اور رومی قانون کے بعض احکام کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے ۔ اس کے علاوہ انھوں نے کچھ اور چیزیں بھی دیکھیں جو بلاشبہ مختلف تہذیبوں ' عادات اور قانون روایات و اعراف کے آپس میں میل جول کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں ' لیکن اگر یہ تشابہ فی الحقیقت موجود بھی ہو تو اس کی بنیاد پر یہ سمجھنا صحیح ہو گا کہ اسلامی قانون رومی قانون سے متاثر ہوا ' جیسا کہ ان لوگوں کا دعوی ہے ' بلکہ یہ سمجھنا کہ اسلامی قانون رومی قانون کے سوا کچھ نہیں ' جس میں کہیں کہیں جزوی تبدیلی کر لی گئی ہے ' جیسا کہ آموس کا دعوی ہے ۔ حیرانی ہوتی ہے کہ اس شخص نے کسی شرم ' حیا اور دلیل کے بغیر حق اور تاریخ کے خلاف کیسی عجیب جرات کا مظاہرہ کیا ہے :

قانونی احکام اور اسی طرح دوسری مختلف نظاموں کے قواعد و ضوابط میں ایسے تشابہ کا پایا جانا دنیا کی تمام اقوام کے درمیان ایک بالکل فطری چیز ہے ۔ چونکہ انسان خواہ کہیں رہتا ہو اور کسی دور میں زندگی بسر کر رہا ہو ' انسان ہی ہے ۔ کسی رومی یا مسلمان میں کوئی فرق نہیں ۔ اسی طرح کسی دوسری قوم یا قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں کوئی فرق نہیں ۔ یہ چیز ہمیں فلسفہ اور غور و فکر کے دوسرے شعبوں میں واضح طور پر نظر آتی ہے ۔

چنانچہ صرف اس تشابہ کی بنیاد پر یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ صرف امت مسلمہ ہی نے دوسری اقوام سے اخذ فیض کیا ہے ' اور اس کے برعکس اخذ و قبول کے کوئی شواہد موجود نہیں - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی عقل سلیم غور و فکر کے بہت سے شعبوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے نظریات سامنے لاتی ہے ' اور ہمیں اس امر کی قطعاً" ضرورت پیش نہیں آتی کہ ہم اس تشابہ کی تفسیر اخذ و تقلید سے کریں - یہ تمام امور بدیہی ہیں ' انہیں سمجھنے اور تسلیم کرنے کے لیے غور و فکر کے عمل میں کسی زیادہ کدو کاوش کی ضرورت نہیں -

علاوہ ازیں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمان رومی قانون سے واقف تھے ' جیسے انھوں نے یونانی فلسفہ سے واقفیت حاصل کی ؟ اس کا جواب بلاشبہ نفی میں ہے - مسلمانوں نے یونانی فلسفہ عربی میں منتقل کیا اور اس سے استفادہ کیا - وہ اپنی ان فلسفیانہ خدمات پر فخر کرتے ہیں جو انھوں نے یونانی فلاسفروں کی خدمات پر اضافہ کی صورت میں انجام دیں - جن سے اہل یونان کی فلسفیانہ آراء اور نظریات میں عظیم تغیر واقع ہوا -

یہ تمام محنت اور کدو کاوش انھوں نے صرف اس لئے کی کہ انھیں یونانی فلسفے کی ضرورت تھی -

لیکن جہاں تک قانون کے شعبے کا تعلق ہے اس میں انھوں نے غیر اقوام سے کچھ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی - کیونکہ ان کے پاس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت موجود تھی - ان دو قانونی مصادر نے انھیں اس امر سے مستغنی کر دیا کہ وہ اس ضمن میں غیر اقوام کی معاونت حاصل کریں - اگر معاملے کی صورت اس کے سوا کچھ اور ہوتی تو تاریخ میں قانون کی کوئی ایک کتاب یا کم از کم کوئی ایسا رسالہ ہم تک ضرور پہنچتا جو رومی قانون سے عربی میں منتقل کیا گیا ہو ' جیسا کہ انھوں نے یونانی میراث کے ساتھ ساتھ فارس کی ادبی اور علمی میراث کے ساتھ معاملہ کیا کہ ان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں -

جہاں تک رومی قانون کا تعلق ہے اس کے معاملے میں تو حقیقت عام خیال

کے برعکس یہ ہے کہ رومی تشریع میں اسلامی فقہ سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ یورپی بیداری کے ایام میں اسلامی ثقافت اور علوم کا وہاں کے قوانین پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ اس لئے اس بیداری کے عوامل میں یہ چیزیں بھی شامل تھیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی ذی فہم شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی محقق باریک بینی سے جائزہ لے تو اسے یورپی قوانین میں اس تاثر کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ (دیکھیے فلسفہ التشریع فی الاسلام' تالیف ڈاکٹر صبحی محمصانی صفحات ۲۲۹-۲۳۰)

یہ امر فی الحقیقت بڑا افسوس ناک ہے کہ بعض عرب اور مسلمان مصنفین بھی ان غلط آراء سے متاثر ہو جانے کے باعث ان کی تصدیق کر رہے ہیں' حالانکہ ایسی آراء ظاہر کرنے کی وجہ سے ان کی جہالت' اسلامی شریعت اور اسلامی فقہ سے ان کی ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں۔ مشہور کہاوت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز سے واقفیت نہ رکھتا ہو تو وہ اسے ناپسند کرنے لگتا ہے۔

قارئین ومقالہ نگار حضرات سے گزارش

بعض احباب ہمیں، اخلاقیات، فضائل ومناقب اور اعراس بزرگان دین کی مناسبت سے مضامین، اشتہارات اور بعض مقامات وشخصیات سے جذباتی وابستگی کی مظہر تحریریں اشاعت کے لئے ارسال فرماتے ہیں۔ جبکہ اس مجلہ کا موضوع فقہ المعاملات ہے۔ لہذا براہ کرم ہمیں فقہ المعاملات سے متعلق مواد ہی اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔

۲۔ مجلہ فقہ اسلامی عوامی پرچہ نہیں بلکہ فقہ المعاملات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ واہل علم کا ایک علمی وتحقیقی مجلہ ہے اس کے اس معیار کو مزید بہتر بنانے کے لئے معیاری مقالات کی ترسیل کی صورت میں آپ کی معاونت ہمارے لئے باعث افتخار ہوگی۔

(مجلس ادارت)